روبینہ شہناز

روایت متن اور اصول تدوین کی روشنی میں

مثنوی ''وفات نامہ بی بی'' اور مثنوی ''معجزہ انار''

کا جائزہ

ہر متن ایک مستقل وجود رکھتا ہے اور اپنی مختلف روایتوں کی شکل میں ایک سے زیادہ ذیلی وظلی وجود کا حامل ہوتا ہے۔ متون کی صحیح ہیئت اور حدود روایت کا یقین ایک نہایت مشکل، اہم مگر نتیجہ خیز کام ہے۔ جس کے لیے ذہنی کاوش اور اہتمام تلاش جزئیات ضروری ہوتا ہے۔ اس کے بغیر حقیقت تک رسائی ممکن نہیں۔ کسی متن کی روایت کا مسئلہ اصول تحقیق وتنقید کے بنیادی مسائل میں سے ہے۔ اس کی مدد سے حقائق کی تلاش، معیار کا تعین اور مسائل کی تفہیم کی جاتی ہے۔ اگر متنی وسائل باوثوق اور قابل استناد نہ ہوں تو اخذ نتائج کا عمل حقیقت پر مبنی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

روایتیں تقریری بھی ہوتی ہیں اور تحریری بھی۔ دونوں صورتوں میں یہ جاننا ضروری ہے کہ روایت کو بیان کرنے والا شخص معتبر ہے یا نہیں اور اگر روایت کا سلسلہ آگے بڑھتا ہے تو کن کن واسطوں سے کہاں تک پہنچتا ہے اور جو واسطے درمیان آتے ہیں۔ انہیں صحت بیان کے اعتبار سے کیا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ اس میں روایت نگار کی قوت حافظہ، قوت تفہیم ونگارش، اہلیت زبان، غیر جانبداری، بے غرضی اور علمی قابلیت کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔

اگر ایک مخطوطے کے کئی قلمی نسخے ہوں تو روایت متن کے تعین کے لیے بہت سے امور کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ تحقیق کے سلسلے میں رویت متن کے تعین کو اولیت کا مقام حاصل ہے۔ متن کے تعین کے لیے عموماً درج ذیل امور کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

Scanned by CamScanner

ا۔ قلمی نسخہ یا مختلف قلمی نسخے جو حاصل ہوئے ہیں اور جس مصنف سے منسوب کیے گئے ہیں اسمیں یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ کیا درحقیقت وہ اسی مصنف کے ہیں یا کسی اور نے لکھ کر مصنف کے نام سے منسوب کر دیے ہیں یا کسی غلط فہمی کے باعث کسی اور کے لکھے ہوئے کسی دوسرے کے نام سے تو منسوب نہیں ہو گئے۔ ان تمام مسائل کے حل کے لیے مختلف تاریخ ادب کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ شاید کہیں مصنف یا شاعر کا اتا پتا مل جائے۔

ب۔ (i) کسی نہ کسی تذکرے میں مصنف اور اس کی تصنیف کا ذکر مل جائے گا۔

(ii) مختلف بیاضیں دیکھنی چاہییں۔ بعض اوقات بیاضوں میں پرانے مصنفین اور شعرء کا ذکر مل جاتا ہے۔

(iii) شعراء اپنا تخلص استعمال کرتے ہیں، اس سے بھی علم ہوسکتا ہے مگر یہاں احتیاط برتنی پڑتی ہے کیونکہ بعض اوقات ایک تخلص کے دو اشخاص بھی ہو سکتے ہیں۔

(iv) اگر شاعر یا مصنف کے بارے میں کچھ علم ہو جائے تو مزید تصدیق کے لیے یا اس کے قرابت داروں کی اولاد سے رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

(v) اس عہد کی سیاسی، سماجی اور مذہبی تاریخ کا مطالعہ بھی کرنا چاہیے، اس سے کچھ نہ کچھ مصنف کے بارے میں اطلاع مل سکتی ہے۔

(vi) بعض مخطوطوں پر تاریخ تصنیف درج ہوتی ہے یا اس میں پہلے دور کے کسی سیاسی یا اہم تاریخی واقعے کا ذکر مل جاتا ہے جس سے مخطوطے کے زمانے کا علم ہو جاتا ہے۔

اس طرح مصنف کے زمانے اور اس تاریخی واقعے کو سامنے رکھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ تصنیف اسی مصنف کی ہے یا اس سے پہلے کی ہے یا بعد کے کسی کی۔

اس ضمن میں ڈاکٹر خلیق انجم اپنے مضمون ''تیاری اور مواد کی فراہمی'' میں تحریر

Scanned by CamScanner

کرتے ہیں:

''خالق باری ایک طویل زمانے تک امیر خسرو سے منسوب رہی ہے۔ امیر خسرو کا انتقال 725 میں ہوا جبکہ محمود شیرانی کی تحقیق کے مطابق ''خالق باری'' 1031 یعنی عہد جہانگیری میں لکھی گئی اور اس کے اصل مصنف ضیاء الدین خسرو ہیں''۔[1]

متذکرہ بالا مثال کی روشنی میں مصنف یا شاعر کے زمانے کا گہرا تحقیقی تجزیہ نہایت اہمیت رکھتا ہے۔

(vii) روایت متن کے ضمن میں لسانی جائزہ بھی بہت اہم ہے۔ مخطوطے کے زمانے کا صرف اندازہ ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ اسے ہر صورت میں یقینی بنایا جاتا ہے اس کے لیے مخطوطے کے زمانے کے دوسرے نسخے پڑھنے چاہییں۔ اس سے پہلے زمانے کے بھی اور بعد کے عہد کے نسخے بھی پڑھنے ضروری ہیں۔ اس مطالعے سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ مصنف کے عہد میں جو زبان مروج تھی، کیا وہی زبان مخطوطے کی زبان ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ اس میں ایسے الفاظ بھی شامل ہوں جو بعد میں لسانی تبدیلیوں کی بنا پر وجود میں آئے ہوں۔ مصنف کے عہد کے جتنے زیادہ نسخوں کا مطالعہ کیا جائے گا اتنا ہی مفید ہوگا۔

(viii) ان تمام امور کے بعد مصنف یا شاعر کے جتنے مخطوطے ہیں ان سب کا بڑی احتیاط سے مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ جب تک ایک ایک لفظ سمجھ میں نہ آ جائے ان کا مطالعہ جاری رکھنا چاہیے۔ محقق کو اس عہد کی زبان پر مکمل عبور حاصل ہونا ضروری ہے۔ عموماً ایک نسخے کے علاوہ باقی نسخے دوسروں کے لکھے

Scanned by CamScanner

ہوتے ہیں۔ محقق کا سب اہم فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس نسخے کی نشاندہی کرے جو مصنف کے اپنے ہاتھ کا تحریر کیا ہوا ہے۔ یہ نسخہ ہی ''اساسی نسخہ یا متن'' کہلا سکتا ہے۔ بعض اوقات مصنف کے ایماء پر اس کا شاگرد، مرید یا کوئی دوست نسخہ تیار کرتا ہے۔ ایسے متن کو ''استنادی متن'' کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر تمام متون جو دوسروں نے تیار کیے ہونگے، وہ ''اشتہاری متن'' کے زمرے میں آئیں گے۔ کچھ نسخے ''املائی متن'' کہلاتے ہیں یعنی ایک شخص بولتا جاتا ہے اور دوسرا لکھتا جاتا ہے۔ بعد میں لکھے جانے والے متن میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ یا ترمیم کا عمل جاری رہتا ہے۔ اس طرح اصل نسخے اور بعد کے نسخے میں فرق ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں قدیم تر قلمی نسخے کو ''بنیادی متن'' قرار دیا جانا چاہیے اور قدیم نسخے کی تلاش محقق کا فرض بنتا ہے۔

(ix) متن میں بعض اوقات خود کو مصنف زمانے کی تبدیلیوں اور نئی معلومات کی روشنی میں تبدیلی کرتا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ نظر ثانی کرتے ہوئے بھی مصنف کاٹ چھانٹ کرتا ہے۔ ایسی حالت میں متن کی نوعیت، نسخہ بدل کی سی ہو جاتی ہے۔ کبھی غلطی خود روایت نگار سے ہوتی ہے اور کبھی کسی دوسری روایت یا نسخے سے ماخوذ ہوتی ہے اور اس طرح ایک ہی قسم کی غلطی سلسلہ در سلسلہ چلتی رہتی ہے اور ایک سے زیادہ روایتوں میں ملتی ہے۔ اس لیے متن کی اصل اور صحیح صورت وہی ہو سکتی ہے جسے خود صاحب متن نے پیش کیا ہو اور باوثوق سطح پر جس کے بارے میں یہ فیصلہ ہو جائے کہ یہ درست ہے تو اسی نسخے کو اصل متن قرار دیا جا سکتا ہے۔

(x) اگر مصنف کے قلم سے لکھے ہوئے ایک سے زیادہ متن موجود ہوں تو ایسی صورت میں آخری متن کو مستند قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس مختلف متن جو موجود ہوں مگر ایک کے علاوہ باقی مصنف کے اپنے قلم سے نہ ہوں تو اولین

Scanned by CamScanner

متن کو اساسی متن قرار دیا جاتا ہے۔ اگر کسی متن کے ایک سے زیادہ قلمی نسخے موجود ہوں تو ان کا زمانہ تحریر داخلی اور خارجی شہادتوں سے متعین کیا جاتا ہے۔

سید نائب حسین نقوی نے قدیم اردو مثنویوں کے دو مخطوطے ''اردو کی دو قدیم مثنویاں'' کے عنوان سے کتابی شکل میں مرتب کیے ہیں۔ یہ دونوں مثنویاں اسمٰعیل امروہوی کی ہیں جنھیں مجلس ترقی ادب لاہور نے شائع کیا ہے۔

تعارف:

سید نائب حسین نقوی ہفتہ 26 ذی الحجہ 1335ھ (مطابق 13 اکتوبر 1917ء) امروہہ میں پیدا ہوئے۔ اس زمانے میں امروہہ کے صاحب استطاعت مسلم گھرانوں میں ہر شخص کو عربی اور فارسی پڑھائی جاتی تھی۔

دوسرے گھرانوں کی طرح ان کے خاندان میں بھی علمی و ادبی روایت موجود تھی، بچپن سے انھوں نے اپنے ارد گرد کتابیں ہی دیکھیں جس سے ان کے دل میں مطالعے کا شوق پیدا ہوا اور عمر کے ساتھ ساتھ اس میں ترقی ہوتی گئی۔ پھر انہوں نے علام شرقیہ کی معقول تعلیم حاصل کی اور الہٰ آباد اور لکھنؤ یونیورسٹی کے اردو، عربی اور فارسی کے متعلم کی حیثیت سے کام کیا۔ چند برس بعد نقل مکانی کر کے لکھنؤ چلے آئے اور یہاں رام آدھین کالج میں ہیڈ مولوی اور اردو پڑھانے پر مقرر ہو گئے۔ بدقسمتی سے 1951ء میں اس کالج میں اردو کی تدریس کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ اسی کے ساتھ نائب حسین نقوی کی تدریسی زندگی بھی ختم ہو گئی۔

اس کے بعد وہ ''نول کشور بک ڈپو'' کی شاخ ''تیج کمار بک ڈپو'' میں بحیثیت نگران ملازم ہو گئے کچھ عرصے کے بعد انھوں نے اس ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور تراجم کا کام شروع کر دیا اور بے شمار عربی و فارسی کتب اردو میں منتقل کیں۔ 1973ء میں ''(Aneess) انیس صدی'' منانے کی غرض سے دلی میں ایک مرکزی کمیٹی تشکیل

Scanned by CamScanner

دی گئی جس میں نائب حسین نقوی کو پروفیسر ادیب مرحوم کا معاون مقرر کیا گیا۔ نائب حسین صاحب ''فرہنگ انیس'' کی تالیف کی تیاریوں میں مصروف تھے اور نھوں نے اس کی پہلی جلد شائع بھی کر دی تھی لیکن 1976ء میں وہ اپنے پرانے مرض تپ دق کے باعث شدید علیل ہو گئے اور تین چار مہینے زیر علاج رہنے کے بعد بالآخر بدھ 9 مئی 1979ء کو اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔

میرے سامنے اس کی اشاعت اول ہے جس کا سن اشاعت دسمبر 1969ء ہے۔ اس کے ناشر سید امتیاز علی تاج ناظم مجلس اور طابع محمد طفیل مالک نقوش پریس اردو بازار لاہور ہیں۔ نائب نقوی نے اس مرتب شدہ کتاب کو جسٹس ایس اے رحمان سے منسوب فرمایا ہے۔

ان دونوں مثنویوں کی تدوین میں نائب نقوی نے کہاں تک تحقیق متن کے اصولوں کو سامنے رکھا ہے۔ اس ضمن میں پہلے تحقیق متن کے اصولوں کا بیان ضروری ہے۔ رشید حسن خان فرماتے ہیں:

> ''تدوین کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اسے آدابِ تحقیق سے واقفیت اور لگاؤ ہو۔ اس کے بغیر تدوین کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا جا سکتا۔ حواشی، مقدمہ، متن کا زمانہ، تصنیف، مصنف اور اس کے عہد سے متعلق ضروری معلومات، داخلی شواہد کا تعین اور ایسی بہت سی متعلقہ باتیں ہیں جن سے ایسا کوئی شخص عہدہ برآ نہیں ہو سکتا جو تحقیق سے آشنا نہ ہو۔ [1]

رشید حسن خان مزید لکھتے ہیں:

> ''یہ مسلمات میں سے ہے کہ مستند نسخے کو ماخذ بنائے بغیر کسی

۱۔ رشید حسن خان۔ مضمون، تدوین و تحقیق کے رجحانات ''اردو میں اصول تحقیق، جلد اول۔ مرتبہ: ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش۔ مطبوعہ: مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع اول 1986ء، ص 283-284۔

Scanned by CamScanner

اقتباس کو اس اعتماد کے ساتھ پیش نہیں کیا جا سکتا کہ اس سے جو نتیجہ نکالا گیا ہے وہ درست ہے''۔[1]

تدوین کا صول ہے کہ کسی متن کے جتنے نسخے ممکن الحصول ہوں ان سب سے استفادہ کیا جائے۔ متن کے بارے میں مقدمہ تحریر کیا جائے جس میں اس وقت کے سماجی اور سیاسی پس منظر کو بیان کیا جائے۔ مرتب کو لسانی جائزہ بھی لینا چاہیے۔ جس میں خاص طور پر صرف ونحو، تذکیر و تانیث، متروکات، قواعد، شاعری اور زبان و بیان کا تجزیہ ضروری ہے۔ پھر تحقیق متن میں جن حقائق کی بازیافت کی گئی ہے ان کے بارے میں یہ بھی بتایا جائے کہ ان سے کیا نتائج نکلے ہیں۔ اس امر کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ جو متن پیش کیا جائے وہ واقعی مصنف کا ہے اور اس کے خیالات و انکار اسی طرح پیش کیے گئے ہیں۔ متن کا طرز املا بھی دیکھا جائے کہ کیا یہی طرز مصنف کے دور میں رائج تھا۔ مصنف کے خیالات کو صحیح طور پر سمجھا جائے۔ اس کی تحریر کو بخوبی سمجھ لینے کے بعد اس پر قلم اٹھانا چاہیے، اگر مصنف نے کوئی اور نسخہ بھی لکھا ہے تو کیا دونوں نسخوں کا خط ایک ہی ہے؟ کیا اشعار یا عبارت میں کہیں کمی یا زیادتی تو نہیں ہے۔ اگر کاتب نے نسخہ تحریر کیا ہے تو کیا اس نے دیانت داری سے کام لیا ہے۔ کہیں اس نے تحریف تو نہیں کی۔ محقق کو ہر قسم کے شکوک کا دور کرنا لازمی ہے جب تک وہ اس یقین کی حد تک نہ پہنچ جائے کہ جو نسخہ وہ مرتب کر رہا ہے۔ ہر مقم سے پاک ہے اسے آگے نہیں بڑھانا چاہیے۔

رسم الخط کے ذریعے نسخے کے زمانے کا تعین کیا جائے اور ہر لفظ کو صحیح طور پر سمجھا جائے کیونکہ بعض اوقات کاتب کسی اور سے پڑھواتا ہے اور خود کتابت کرتا ہے۔ اس طرح بعض حروف کی یکساں آوازوں سے تحریر میں بڑی بڑی غلطیاں ہو جاتی ہیں اس بات کو بھی نظر میں رکھا جائے کہ قدیم رسم الخط اور جدید رسم الخط میں کیا فرق ہے۔ اس سے

۱۔ رشید حسن خان۔ ص 285۔

Scanned by CamScanner

متن کی کتابت کا زمانہ متعین کیا جا سکتا ہے۔ زبان و بیان پر خوب غور و خوض کیا جائے تا کہ اس امر کی نشاندہی ہو سکے کہ کہیں کسی اور شاعر کا کلام تو متن میں شامل نہیں ہو گیا۔ اس کے لیے محقق کو شاعر کے ہم عصر شعراء اور بعد میں آنے والے شعراء کا کلام بھی پڑھنا چاہیے۔ قدیم تحریروں میں ''ک، گ، کی تمیز نہیں تھی، اسی طرح ''ی اور ے'' میں فرق روا نہ رکھا جاتا تھا۔ بہت سے الفاظ مرکب صورتوں میں تحریر کیے جاتے تھے۔ ''ڈ، ڑ، پر'' ط کی جگہ ( ) چار نقطے لگائے جاتے تھے، کبھی دو نقطے اور ایک لکیر اور کبھی دو لکیریں بھی لگائی جاتی تھیں۔ ان تمام حقائق کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ خط نسخ اور خط نستعلیق پر غور کرنا چاہیے کیونکہ ''نسخ'' قدیم خط ہے۔ بعض اوقات کاتب سے حروف کے نقطے چھوٹ جاتے ہیں اور کئی مرتبہ حروف وصل لکھنے سے رہ جاتے ہیں۔ کبھی کبھی پورا لفظ رہ جاتا ہے۔ اس صورت میں محقق کو جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے بلکہ دوسرے مخطوطوں کی مدد سے اصل حروف کو تلاش کرنا چاہیے اگر دوسرا کوئی مخطوطہ دستیاب نہ ہو تو دانشوروں کے مشورے کے بعد اسے تحریر کرنا چاہیے اور حواشی میں اس کا حوالہ دینا چاہیے۔

محقق کو کاغذ اور سیاہی کے بارے میں علم ہونا چاہیے کہ کس زمانے میں کون سا کاغذ اور کیسی سیاہی استعمال کی جاتی تھی، اس ضمن میں خطاطوں کے تذکروں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پرانے کاغذ پر جدید نسخہ تحریر کر دیا جاتا ہے، کبھی تحریر کی تاریخ کتاب کی تاریخ سمجھ لی جاتی ہے۔ ان امور پر بڑے غور و خوض کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لیے محقق کو مختلف ادوار کی زبان پر عبور ہونا ضروری ہے نیز سیاہی کا کیمیائی تجزیہ بھی اس میں مدد و ثابت ہو سکتا ہے۔

مصنف اور متن کی اصل تاریخ کے سلسلے میں تذکروں، بیاضوں، سیاسی تاریخوں اور واقعات سے مدد لی جا سکتی ہے۔ کبھی مصنف کے مکاتیب مل جاتے ہیں جو سنہ تصنیف اور مصنف کے زمانے کا تعین کر دیتے ہیں۔

متن مرتب کرنے کے بعد محقق کو مختلف مخطوطوں کے فرق کو تحریر کرنا چاہیے۔

Scanned by CamScanner

اشعار کی تعداد، اصل متن کا سائز وغیرہ لکھنا چاہیے۔ متروک الفاظ کی فہرست دینی چاہیے، ایسے الفاظ جو اب تبدیل ہو چکے ہیں ان کی فہرست اس طرح لکھنی چاہیے کہ ایک طرف متن کا لفظ اور اس کے سامنے اس کا موجودہ ترجمہ شدہ لفظ ہو۔ حواشی اور تعلیقات بھی دینے چاہییں۔

محقق کو اپنی طرف سے نسخے میں تصحیح یا ترمیم نہیں کرنی چاہیے اور اگر ناگزیر ہو تو حاشیے پر اس کے بارے میں تحریر کرنا چاہیے۔

مدون شدہ کتاب میں مصنف کے حالات، زمانہ، تالیف، تاریخ کتابت، ضمیمہ، خاتمہ، حواشی، فرہنگ وغیرہ ضرور تحریر کرنا چاہیے۔ علاوہ ازیں متن ملنے کے وقت اس کی ظاہری حالت، سائز اور ملنے کے ذرائع کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ محقق کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ متن کے سلسلے میں مختلف شعراء اور دانشوروں سے اپنی کاوش کے بارے میں رائے لے۔ انہیں مخطوطہ دکھائے اور جب مختلف فضلاء اور دانشور اس کی تائید کر دیں تو وہ اسے مرتب کرے۔ اس طرح غلطی کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔ یہ وہ حقائق ہیں جو تحقیق متن میں ایک محقق کو اپنانے پڑتے ہیں۔ اس کے بغیر کوئی محقق دیانتداری سے کسی متن کی تدوین نہیں کر سکتا۔

ان تمام امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسماعیل امروہوی کی مثنویوں کو پرکھا جا سکتا ہے جو نائب نقوی نے مرتب کی ہیں کہ آیا نقوی صاحب نے تدوین متن میں تحقیق کا حق ادا کیا ہے یا نہیں۔

مثنوی کے صفحہ 5 پر ترتیب کتابت دی گئی ہے جس کے تحت دو حصے کیے ہیں، ایک طرف موضوع کے عنوانات درج کیے ہیں اور دوسری طرف صفحات کے نمبر دیے ہیں۔ کتاب کے ''حرف آغاز'' میں نائب نقوی نے یہ اقرار کیا ہے کہ:

> ''میں نے اپنا ذاتی مخطوطہ پڑھنے اور سمجھنے کے لیے متعدد اکابرین، مفکرین، مفکرین کا محض سہارا ہی نہیں لیا بلکہ ان میں

سے بعض عمائدین اور محققین نے میرے ساتھ برابر کا تعاون
بھی کیا ہے''۔[۱]

ہدیۂ تشکر میں وہ فرماتے ہیں:

''بنیادی مخطوطے کو صحیح طور پر سمجھنے کی ضرورت اس لیے تھی کہ
اس کی تحقیق و تعین اقدار کے بعد شمالی ہند کی تاریخ ادب اردو
خصوصیت سے متاثر ہوگی''۔[۲]

محقق نے صاحب مخطوطہ اسماعیل امروہوی کی تلاش میں بڑی کدوکاوش کی جس کے بارے میں فرمایا ہے:

''میں نے اول مرتبہ امروہیہ کی تاریخوں میں اسماعیل کی تلاش
کے لیے اپنے اعزاء اور ہم وطن ارباب ادب کا سہارا لیا......
دوسرے بزرگوں میں مولوی محمد عبادت صاحب اور میرے
بھائی سید سخی حسن صاحب اور فائق رامپوری ہیں۔ پھر لاہور آ
کر ڈاکٹر عبادت بریلوی کی خدمت میں مخطوطہ بطور مشورہ پیش
کیا''۔[۳]

چنانچہ وہ اسمعیل امروہوی کا تعارف ان مثنویوں کے متون سے مرتب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہمارے تذکرہ نگاروں اور محققین کی نگاہیں ابھی اسمعیل
تک نہیں پہنچ سکیں، صرف مولوی عبدالحق اور بعض دوسرے

۱۔ نائب نقوی، مرتب: اردو کی دو قدیم مثنویاں از اسماعیل امروہوی، مطبوعہ: مجلس ترقی ادب لاہور، طبع دسمبر 1969ء، ص 10۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ ایضاً، ص 11۔

Scanned by CamScanner

محققین نے اسمعیل کا محض حوالہ دیا ہے جس کے سبب موصوف کا نام ادبی حلقوں میں روشناس ہو گیا تھا.....

اسمعیل نے دونوں مثنویوں میں اپنے وطن کے متعلق خود اظہار کر دیا ہے کہتے ہیں:

پہلی مثنوی:۔ وطن امروھا مرا ہے شہر نام
اسی جائے پر مرا ہے گا قیام

(مثنوی وفات نامہ بی بی شعر نمبر۔311)۔

دوسری مثنوی:۔ کہ ھے امروھا شہر، مرا وطن
جو دلی کے نزدیک ھے با امن [1]

(مثنوی معجزہ انار، شعر نمبر۔140)۔

تاریخ وسطیہ ص۔19، تاریخ اصغری ص۔ 30 کے حوالے سے نائب نقوی تحریر کرتے ہیں:

''اسمعیل کے مورث اعلیٰ مخدوم سید شرف الدین 670ھ میں اپنے والد ماجد میر علی بزرگ کے ساتھ براہ ملتان امروہہ تشریف لائے''۔ [2]

کتاب کے صفحہ 41 پر ''اسمعیل'' کے شجرہ نسب کا عکس دیا گیا ہے۔ بعد ازاں یہ بتایا گیا ہے کہ شجرہ نسب میں مندرج بزرگوں کے احوال درج ذیل تواریخ میں ملتے ہیں جو کہ فیروز شاہ سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر تک چلتے ہیں اور جو مختلف بادشاہوں کے درباروں سے منسلک رہے ہیں۔ اہم تواریخ یہ ہیں:

''سیر المتاخرین، مقاصد العارفین، ثمرات القدس، تاریخ ابن

Scanned by CamScanner

خلدون، تاریخ فرشتہ، اقبال نامہ، جہانگیری، تواریخ خانی خان، ماثر عالمگیری، دربار اکبری، آئین اکبری، جام جہاں نما رسالہ سراج الدین احمد، عمدالطالب، سفر نامہ ابن بطوطہ وغیرہ''۔[1]

نائب حسین نقوی تحریر کرتے ہیں کہ اسمعیل کے پردادا محمد میر عہد اکبری میں میر عدل (جسٹس) کے عہدے پر فائز تھے۔ ملا عبدالقادر آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ آپ نے اپنی تاریخ ''منتخب التواریخ'' میں استاد کا جا بجا ذکر کیا ہے۔ اسمعیل کے دادا، اکبر، جہانگیر اور شاہ جہاں کے عہد کے جلیل القدر عمائدین میں سے تھے۔

(بحوالہ طبقات اکبری)۔

اسمعیل کے والد، سید ابراہیم، جہانگیر اور شاہ جہاں کے عہد میں مختلف مناصب پر مامور رہے اور عہد شاہ جہاں میں ایک جنگ میں کام آئے۔

(بحوالہ تاریخ واسطیہ، ص 327۔ تاریخ اصغری، ص 130)۔

محقق نے صاحب مثنوی کے تعارف کے بعد اس کے عہد کا جائزہ لیا ہے اور اسکے ہم عصروں کو تلاش کیا ہے تا کہ اسمعیل کے حقیقی زمانے کا تعین ہو سکے۔ اسمعیل نے اپنی پہلی مثنوی ''وفات نامہ بی بی'' میں 1105ھ تحریر کیا ہے۔ مہینہ رجب مرجب تھا، یہی تاریخ پچیسویں، ماہ تھا۔

اتھے سال ہجری نبیؐ کے عیاں، گیارہ سو اور پانچ تھے بوجھ جاں
جو دن چار شنبہ بوقت ظہر، قصہ پورا کیتا بہت فکر کر

اشعار 314 تا 316۔

ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی 25 رجب 1105ھ منگل کے دن ظہر کے وقت اختتام پذیر ہوئی۔

---

[1] اردو کی دو قدیم مثنویاں۔ ص 49۔

Scanned by CamScanner

دوسری مثنوی معجزۂ انار میں کہتے ہیں۔

گیارہ سوا پر بست سن تھے نبیؐ
اسی روز قصہ کہا میں سبھی

شعر نمبر 147۔

اس شعر میں صرف سن کا اظہار ہوتا ہے یعنی 1120ھ ، دیے ہوئے شجرہ نسب کے تحت آپ کے حسب ذیل معاصرین قرار پاتے ہیں۔

سید عاقل، سید عالم (برادران)، سید عبدالماجد (چچازاد بھائی)، قاضی سید عبدالرسول، سید سعادت اللہ اور سید محمد اعظم:

''ان میں سے سید عاقل اور سید عالم، اسماعیل کے برادران کی مہریں، عہد جہانگیر اور شاہ جہاں کے فرامین اور قسمت ناموں پر موجود ہیں''۔ ۱

''ایک قسمت نامے پر 21 رجب 1065ھ یعنی 1654ء پر ان دونوں بھائیوں کی مہریں ثبت ہیں گویا اسماعیل 1065ھ یعنی 1654ء میں موجود تھے''۔ ۲

اسمعیل کا عہد شاہ جہاں کا عہد ہے۔ اسمعیل اور سید اعظم کا ایک باہمی قسمت نامہ عالمگیر اورنگ زیب کے جلوس 3 (1017ھ) میں لکھا گیا ہے جس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اسمعیل عہد عالمگیر میں کسی علمی منصب پر مامور تھے یہ قسمت نامہ کتاب ھذا میں موجود ہے۔ (ص۔ 57-85) اور (تاریخ واسطیہ میں ص 527)۔ نائب نقوی نے اسمعیل کے زمانے کا تعین کر کے پھر اس زمانے کے صف اول کے شعراء سے ان کو موازنہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں گوہر نوشاہی نے ''حاجی محمد نوشہ'' کا نام شمالی ہند میں قدیم اردو

Scanned by CamScanner

شاعری کی حیثیت سے متعارف کرایا ہے جو پنجاب میں اردو از محمود شیرانی اور قدیم اردو از مسعود حسین خان اور دیگر محققین کی تحقیق کے بعد خاصی وقعت کا حامل ہے۔ حاجی محمد نوشہ کی مثنوی کا نام ''گنج الاسرار'' ہے۔

حضرت نوشہ کے عہد کے متعلق سہ ماہی صحیفہ لاہور میں تحریر کیا گیا ہے کہ حضرت نوشہ گنج بخش ضلع گجرات کے ایک گاؤں میں یکم رمضان 959ھ بمطابق 21 اگست 1552ء بروز سوموار پیدا ہوئے۔ ان کی وفات 1064ھ میں ہوئی۔ ان کی مثنوی کا سال تصنیف اُن کی وفات کے قریب یعنی 1864ھ ہے۔ اس تحقیق کے لحاظ سے گنج الاسرار پنجاب کی قدیم ترین مثنوی قرار پائی ہے۔ اس کے علاوہ دوسری تصنیف ''رسالہ فقہ ھندی'' ہے جو مولانا عبدی نے تحریر کیا ہے۔ یہ رسالہ 1074ھ میں اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں لکھا گیا۔ حافظ محمود شیرانی نے اس رسالے کو پنجاب کی قدیم ترین تصنیف بتایا ہے جبکہ مثنوی ''گنج الاسرار' فقہ ھندی'' سے دس سال قبل لکھی گئی۔

پنجاب کے بعد وسطی ہندوستان کو لیجیے، یہاں ''افضل پانی پتی'' ہیں جنکی تصنیف ''بارہ ماسہ'' ہے افضل کا سن وفات 1035ھ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے بیان کی گئی تصانیف سے پہلے کی ہے ایک اور شاعر فائز دہلوی ہیں۔ تحقیق کے مطابق فائز کا کلیات 1127ھ میں مرتب ہوا جبکہ اسمعیل امروہوی 1123ھ میں وفات پا چکے تھے۔

جعفر زٹلی عالمگیر کے آخر عہد کی شخصیت کہے جا سکتے ہیں، مگر جعفر زٹلی کے وقت اسمعیل کا عہد جوانی گزر چکا تھا۔

اب مختصر طور پر یہ ہے کہ:

ا۔ اسمعیل کا سن وفات 1030ھ ہے۔

ب۔ حضرت نوشہ کا سن وفات 1064ھ کے قریب ہے۔

ج۔ عبدی کا سن وفات 1074ھ ہے۔

د۔ افضل پانی پتی کا سن وفات 1035ھ ہے۔

Scanned by CamScanner

ہ۔ فائز دہلوی کا سن وفات 1151ھ ہے۔

و۔ ولی کا سن وفات 1129ھ ہے۔

ز۔ جعفر زٹلی کا سن وفات 1119ھ ہے۔

اس موازنے کے بعد اسمعیل کے عہد کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ یہ بلا خوف و تردد کہا جا سکتا ہے کہ اسمعیل کی مثنویاں قدیم ترین مثنویاں ہیں۔

محقق نے کتاب کے صفحہ 80 پر اسمعیل کے علم و فضل کے بارے میں تفصیل سے تحریر کیا ہے پھر صفحہ 83 پر اسمعیل کے سلوب اور لسانی اہمیت کے بارے میں بحث کی ہے۔ جس میں یہ بتایا ہے کہ اس زمانے میں بولے جانے والے کون کون سے الفاظ آج کس شکل میں بولے جاتے ہیں۔ صفحہ 84 سے صفحہ 90 تک الفاظ کی ایک طویل فہرست موجود ہے جو تحقیق متن کے ضمن میں نہایت اہمیت رکھتی مثلاً

آوتا ۔ آتا

امگے ۔ آگے

انت ۔ شمار

پوراتا ۔ پورا کرتا

تمن ۔ تمھارا وغیرہ (صفحہ 84)

نائب نقوی نے دیباچے میں مخطوطے کی بازیافت کے بارے میں تفصیل سے بتایا ہے، وہ تحریر کرتے ہیں:

> ''واقعہ یہ ہوا کہ اردو کے اولین اور بنیادی ڈرامے کی مجھے برسوں سے مسلسل جستجو تھی۔ علیگڑھ، دلی، لکھنؤ، پٹنہ، رام پور اور آگرہ ہر جگہ تلاش کیا اور آخری مفلی کے لیے بمبئی کا عزم کیا جہاں ڈراما بھی مل گیا اور موجودہ مثنوی کا راز بھی کھل گیا''۔

بمبئی کے سفر سے پہلے 1965ء میں اپنے وطن امروہہ مجھے کافی عرصہ قیام کرنا

Scanned by CamScanner

پڑا چنانچہ بیکار معاش کچھ کیا کر کے مصداق ایک دن گھر کے ٹوٹے پھوٹے صندوق صحن میں نکالے۔ دیمک خوردہ کتابیں، رجسٹر، کاپیاں، ادعیہ و وظائف کی کتب سب کچھ تلپٹ کر ڈالا۔ کئی نایاب کتب ملیں۔ اس میں ایک بدخط لکھی ہوئی کاپی بھی ہاتھ آئی جو سینکڑوں بار بیکار سمجھ کر اسی طرح ڈال دی جایا کرتی تھی اور کبھی ردی میں فروخت نہ کی گئی تھی غالباً اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اسکا بوسیدہ اور دیرینہ کاغذ کون خریدتا۔ اس مرتبہ وقت زیادہ تھا کوئی کام تھا نہیں، لہذا ہر شے الٹ پلٹ کر دیکھی، پڑھی اور ہر وہ کتاب، رجسٹر اور کاغذ محفوظ کر لیا۔ جس کے متعلق ذرا سا بھی کارآمد ہونے کا تصور ہو سکتا تھا اسی میں پونے تین سال پرانی کاپی بھی تھی جس کے صفحہ آخر پر ہلکی سرخ روشنائی سے لکھا تھا

''1967ء میں جب بمبئی گیا تھا تو نجیب اشرف ندوی سے بھی ملنا ضروری تھا چنانچہ خدمت میں حاضر ہوا اور زمانہ قیام میں متعدد ملاقاتوں کے بعد ایک دن فرمانے لگے، تقریباً پچاس سال ہوئے ہوں گے امروہہ کے دوران قیام اسمعیل امروہوی کی ایک مثنوی نقل کر لایا تھا جو آج تک محفوظ ہے''۔

انجمن ترقی اردو کے رسالہ اردو کی جنوری 1954ء کی اشاعت میں کچھ حاشیوں کے ساتھ شائع کرا چکا ہوں۔

عرض کیا۔ ''جی وہ تو میں نے پڑھی ہے''۔

فرمایا۔ '' اسمعیل کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں''۔

میں عرض کیا:

''جس قدر آپ کو معلوم ہیں بس اس سے زیادہ میں بھی کچھ نہیں جانتا۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ کئی دن بعد پھر ایک شام کو حاضر خدمت ہوا اور آج وہ بوسیدہ کاپی بھی میرے پاس تھی۔ خیر صلا کے بعد مخطوطہ سامنے رکھ دیا، کئی منٹ ورق گردانی کے بعد فرمانے لگے، واہ خوب کہ جناب! یہ لیجیے اسمعیل کی مثنوی یہ

Scanned by CamScanner

تو وہی اصل مخطوطہ ہے۔ جس سے میں نے یہ نقل کی تھی۔
فدوی صاحب نے اپنا مخطوطہ نکالا۔ دونوں ملائے گئے،
الفاظ میں تغیر وتبدل تھا اور میرا مخطوطہ ..... بنیادی اور
مصنف کا حیات کا تھا''۔[1]

محقق نائب حسین نقوی نے مخطوطے کا سائز اور اس کے بارے میں دیگر معلومات بھی درج کی ہیں مثلاً 8 / 17x17 سائز کی کاپی پر مکمل مسودہ ہے۔ ہر صفحے پر پندرہ سطور ہیں۔ کاپی کے ٹائٹل کا کاغذ بانس کا موٹا اور مٹیالے رنگ کا ہے۔ کاغذ دوصدی سے زیادہ پران معلوم ہوتا ہے۔ مکمل مسودہ 400 صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں علی الترتیب حسب ذیل مثنویاں شامل ہیں۔ یہ مثنویاں، مثنوی ''وفات نامہ بی بی'' کے علاوہ ہیں۔

۱۔ قصہ پانچ بے وقوف:۔

اس مثنوی میں 262 اشعار ہیں۔ کاتب نے مثنوی کے اختتام پر حسب ذیل عبارت لکھی ہے۔

''تمت۔ تمام شد۔ کار من نظام شد۔

۲۔ قصہ معجزۂ انار:۔

اس میں ایک سو چوالیس اشعار ہیں۔ آخری چار اشعار میں پہلا شعر دعائیہ، دوسرا مثنوی کے اشعار کی تعداد کے متعلق، تیسرا مثنوی کی سن تصنیف کے بارے میں اور آخری سلام۔ مکمل مثنوی دس صفحات پر مشتمل ہے۔

Scanned by CamScanner

سرخ روشنائی سے عنوان قائم کیا گیا ہے مثنوی میں کل اکیاسی اشعار ہیں۔

۴۔ قصہ حجمہ بادشاہ:۔

یہ مثنوی 181 ابیات پر مشتمل ہے۔

۵۔ قصہ ملا باہمن:۔

یہ 150 اشعار پر مشتمل ہیں۔

متذکرہ مثنویوں میں ''وفات نامہ بی بی'' اور ''معجزۂ نار'' اسمعیل کی ہیں۔ باقی مثنویاں دوسرے شعراء کی ہیں اسے کے بعد نائب نقوی نے مخطوطے کی عام کیفیت درج کی ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''مخطوطے کا خط خراب ہے جس کا املا بھی بعض جگہ درست نہیں۔ حسب دستور قدیم دو منفرد الفاظ ملا جلا کر لکھے ہیں۔ متعدد الفاظ لکھنے سے رہ گئے ہیں۔ ایسے مقامات پر صحیح لفظ تلاش کر کے لکھ دیا گیا ہے بلکہ جس محقق نے لفظ تلاش کیا ہے حاشیے میں اس کی نشاندہی نہایت ایمانداری سے کی گئی ہے۔ اس کے بعد بھی جو الفاظ پڑھنے سے رہ گئے تھے وہ مخطوطہ ''یکتا'' کے بروقت مل جانے سے حل ہو گئے''۔ [1]

اس کے بعد محقق نے مخطوطے میں ان الفاظ کی نشاندہی کی ہے جو لکھنے سے رہ گئے تھے مثلاً:

> ''ایک اور مقام پر بیان کی ''ن'' کتابت سے رہ گئی ہے۔ شعر نمبر 141 کے دوسرے مصرعے کا قافیہ ''اوپر'' لکھنے سے رہ گیا ہے۔ [2]
>
> ''اس کے علاوہ ''صحابی'' کو ''اصحابی'' کتابت کیا گیا ہے۔

۱۔ اردو کی دو قدیم مثنویاں، ص 19-20۔

۲۔ اردو کی دو قدیم مثنویاں، ص 21

Scanned by CamScanner

''نجات'' کا املا ''نہجات'' لکھا ہے۔''ک گ'' کا کوئی التزام نہیں ہے، کہیں ''ک'' کو ''گ'' اور کہیں ''گ'' کو ''ک''، ''ی'' اور ''یے'' کا بھی کوئی التزام نہیں ہے۔ دونوں کو ''ی'' کی کش سے لکھا ہے جو عربی رسم الخط ہے۔ ''ہ'' اور ''ھ'' کا کبھی کوئی التزام نہیں''۔ [1]

مزید براں:

''ٹ، ڈ، ڑ'' پر بجائے ''ط'' کے حسب دستور قدیم ( ) چار نقطے لگائے ہیں۔ ''اَب'' کو ''آب'' تحریر کیا ہے۔ ''سبھی'' کو ''سبی'' کتابت کیا ہے۔ الف اور لام کی کش ہر جگہ یکساں نظر آتی ہے۔ ''ایسا'' کا املا ''ایسا'' لکھا ہے۔ ''صدق'' کو ''صدقیں'' اور ''پڑھیں'' کو ''پریں'' لکھا ہے''۔ [2]

محقق کو تین مخطوطے مزید دستیاب ہوئے۔ جن کا اس نے ذکر کیا ہے اور پھر بڑی گہری نظر سے تینوں کا موازنہ کیا ہے اور ان میں جہاں جہان اختلاف ہے اسے بھی ظاہر کیا ہے۔ پہلا نسخہ حاجی مرتضےٰ حسین مرحوم کے کتب خانہ امروہہ میں محفوظ تھا۔ دوسرا نامکمل نسخہ مولوی عبدالحق بابائے اردو کے پاس سے دستیاب ہوا۔ تیسرا نسخہ سید معزز حسین صاحب امروہوی کے ہاں سے ملا۔

کتاب کے صفحہ 29 اور 30 پر محقق نے نسخہ (ا) اور (ب) میں جو اختلاف بین الفتح ہیں۔ انہیں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ صفحہ 31 پر مصنف کی دوسری مثنوی ''معجزہ انار'' کے مزید مخطوطوں کا ذکر کیا ہے۔ پہلا نسخہ خود محقق کے پاس تھا، دوسرا نسیم

Scanned by CamScanner

امروہوی سے دستیاب ہوا۔ پہلا نسخہ 'الیاس خان' کا کتابت کردہ ہے اور دوسرا 'حیدر حسین یکتا' کا۔ تیسرا نسخہ 'نجیب اشرف ندوی' کے پاس سے ملا۔ محقق نے کتاب کے صفحہ 37 پر تینوں نسخوں کے اختلافات بین النقول کا تفصیل سے ذکر کیا ہے مثلاً

نسخہ (الف)	نسخہ (ب)	نسخہ (ج)
تعداد اشعار 148	تعداد اشعار 147	تعداد اشعار 148

محقق نے مثنوی میں جہاں پرانے الفاظ آئے ہیں، نیچے حاشیے پر ان کی جگہ جدید استعمال ہونے والے الفاظ تحریر کر دیے ہیں اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مختلف نسخوں میں کون سا لفظ درج ہے اور اصل نسخے میں کون سا ہے نیز اصل مخطوطے کا حاشیہ بھی نقل کیا گیا ہے۔ مثنوی ''معجزۂ انار'' الیاس خان نے 1709 میں تحریر کیا تھا۔ محقق نے یہ تک درج کیا ہے کہ مثنوی میں عنوان کو مقدم رکھا ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس کے بعد تحریر کی ہے۔ آخر میں محقق نے مثنویات اسمعیل میں آنے والے قدیم الفاظ کی فرہنگ پیش کی ہے اور ہر لفظ کے سامنے یہ تحریر کیا ہے، یہ لفظ دکنی ہے یا پنجابی یا کھڑی بولی کا یا عربی فارسی وغیرہ کا۔ یہ فرہنگ باقاعدہ ردیف وار تحریر کی گئی ہے اور ہر لفظ کے جدید معنی تحریر کیے گئے ہیں اسکے بعد محققین نے قدیم و جدید املا اور کش حروف میں تغیر و تبدل کے لحاظ سے قدیم اور جدید الفاظ کی فہرست دی ہے۔ اس کے بعد مثنوی میں آنے والی تمام ھجری سنیں تحریر کی ہیں اور ان کے سامنے عیسوی سنیں بھی دی گئی ہیں۔ سب سے آخر میں فہرست، ماخذ و معاون کتب ہیں جن کی تعداد 48 ہے۔

نائب حسین نقوی کی مرتب کردہ کتاب ''اردو کی دو قدیم مثنویاں'' تدوین و تحقیق متن کے لحاظ سے بہترین قرار دی جاسکتی جس میں انہوں نے تحقیق و ترتیب کے تمام اصول اپنائے ہیں اور تدوین کتاب کا حق ادا کر دیا ہے جبکہ کئی اور مرتب کردہ نسخوں میں کچھ نہ کچھ رہ گیا ہے مثلاً ڈاکٹر سید معین الحق کے تدوین کردہ مخطوطے ''اخبار رنگین'' میں

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

قدیم و جدید الفاظ کی فہرست رہ گئی ہے۔ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ کون سا لفظ کس علاقے یا زبان کا ہے۔ کیا آج کل رائج ہے یا نہیں اور اگر رائج ہے تو کس شکل میں وغیرہ وغیرہ۔

میری نظر میں مثنوی ''معجزہ انار'' اور مثنوی ''وفات نامہ بی بی'' کی تدوین تحقیق متن کے مسلمہ اصولوں پر پوری اترتی ہے بلکہ اس کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ مثنوی ''وفات نامہ بی بی'' شمالی ہند کی سب سے قدیم مثنوی شمار کی گئی ہے۔ اس ضمن میں مولوی عبدالحق فرماتے ہیں:

> ''شمالی ہند میں اس وقت تک جو پرانی اردو کتابیں دستیاب ہوئی ہیں ان میں سب سے پرانی کتاب جو مجھے ملی ہے وہ ''وفات نامہ حضرت بی بی (فاطمہ) ہے۔ اس کے مصنف کوئی اسمعیل ہیں جو امروہہ کے رہنے والے ہیں''۔ [1]

مولوی عبدالحق کو اسمعیل امروہوی کے حالات دستیاب نہیں ہو سکے تھے۔